تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے

محمد میاں صدیقی

تفسیر کا مادہ سہ حرفی لفظ ,,فسر،، ہے جس کے لغوی معنی ھیں واضح کرنا ، کھول کر بیان کرنا ۔ قرآن حکیم میں ہے : ولا یأتونک بمثلٍ الاجئنٰک بالحق و احسن تفسیراً ۔ (۱) (وہ جو بھی مثال آپ کے سامنے لائیں گے ہم اس کے عوض آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفصیل لائیں گے) ۔

اس آیت میں ,,تفسیر،، سے مراد تفصیل اور وضاحت ہے۔ صاحب لسان العرب کہتے ھیں :

,,فسر،، کے معنی ھیں اظہار و بیان ، اس کا فعل باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے تفسیر کا مفہوم بھی یہی ہے ،، ۔ (۲)

مزید کہتے ھیں :

,,فسر،، بےحجاب کرنے کو کہتے ھیں ، تفسیر کرتے وقت بھی مشکل الفاظ کے مفہوم و معانی کو ایک طرح بےحجاب کیا جاتا ہے،، ۔ (۳)

مشہور مفسر اور نحوی ابو حیان کہتے ھیں :

,,سواری کا پالان اتار کر اس کی پیٹھ ننگی کرنے کو بھی ,,تفسیر،، کہتے ھیں ، ظاہر ہے کہ ننگا کرنے میں کشف و اظہار کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ زین اتارنے سے پیٹھ کھل کر اور ننگی ھو کر سامنے آ جاتی ہے ،، ۔ (۴)

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ تفسیر محسوسات اور معقولات دونوں کے کشف و اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ عقلی اور غیر مادی اشیاء کے سلسلے میں اس لفظ کا استعمال زیادہ عام ہے۔

علم تفسیر ایک قدیم فن ہے اور اس کی ابتداء صدر اسلام سے ہو چکی تھی۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ (م : ٦٨ ھ) کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اس فن میں سند تسلیم کیئے جاتے تھے، ایک تفسیر بھی ان سے منسوب ہے۔ (۵)

تفسیر چند قواعد اور مَلکات کا نام نہیں ہے جو معین قواعد کی مشق سے حاصل ہو سکتے ہوں۔ جیسا کہ دیگر علوم کی صورت میں جو علوم عقلیہ سے مشابہت رکھتے ہیں، میسر آ جاتے ہیں۔ تفسیر کی تعریف و توضیح میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطالب بیان کرنے کا نام ہے،

بہر حال بنیادی طور پر یہ تخیل سب میں موجود ہے کہ اللہ کی کتاب کی واضح تشریح کرنا۔ مثال کے طور پر زرکشی کہتے ہیں کہ :

,,تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی کتاب کے جو کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر نازل ہوئی کے مطالب، احکام، اور حکمت سمجھی جا سکتی ہے"۔

یہ علم۔ لغت و ادب، فقہ و اصول فقہ، علمِ تجوید وقراءت کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ تفسیر کے لئے آیات کی شان نزول، اور ناسخ و منسوخ کا علم بھی ضروری ہے۔ (٦)

تفسیر و تاویل :

قرآن حکیم کی وضاحت، اور شرح کے لئے تفسیر کے علاوہ، علماء ایک اور لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ ہے لفظ ,,تاویل"۔

تفسیر کے معنی بیان ، اور کشف کے ھیں ، اور تاویل کے معنی رجوع کے ھیں ۔ گویا متعدد ، اور چند محتمل معانی میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرنا ، تاویل کہلاتا ہے۔

علامه جلال الدین سیوطی نے تفسیر اور تاویل کا باھمی فرق واضح کرنے کے لئے ائمه تفسیر کے مختلف اقوال نقل کئے ھیں۔

امام راغب الاصفہانی کہتے ھیں که : تفسیر ، تاویل سے عام ہے۔ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ و مفردات میں ھوتا ہے ، اور تاویل کا غالب استعمال معانی اور جملوں میں ، نیز کہتے ھیں که قرآن کریم کے معانی ، اور مراد واضح اور بیان کرنے کو تفسیر کہتے ھیں ، خواہ باعتبار معنی ظاھر ھو ، یا باعتبار معنی خفی ، اور تاویل ، کلامِ تام اور جملوں کا مفہوم متعین کرنے کو کہتے ھیں " ۔ (۷)

بعض مفسرین کا قول ہے که : تفسیر کا تعلق روایت سے ہے ، اور تاویل کا تعلق درایت سے " ۔ (۸)

امام ابو نصر قشیری بیان کرتے ھیں که : "تفسیر موقوف ہے سماع اور اتباع نبی صلی الله علیه وسلم پر۔ اور تاویل ، اجتهاد و استنباط کا نام ہے " ۔ (۹)

امام ماتریدی فرماتے ھیں : تفسیر کے معنی یه ھیں که کسی ایک مفہوم پر یقین کر لیا جائے که الله تعالی کی مراد یہی ہے اور تاویل یه ہے که چند محتمل معانی میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے(۱۰)۔

ابو حیان نے علم تفسیر کی تعریف اس طرح کی ہے :

"وہ ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق ، الفاظ کے معانی ، اور ان کے افراد و ترکیبی حالات بیان کئے جائیں " ۔ (۱۱)

اصول تفسیر کی کتابوں میں علم تفسیر کی تعریف بایں الفاظ کی

گئی ہے :

ان علم التفسیر علم یبحث فیه عن معنی نظم القرآن مجید کسب القوانین العربیة والقواعد الشرعیة بقدر الطاقة البشریة(۱۲)

علم تفسیر اس علم کو کہتے ھیں جس میں طاقت بشری کی حد تک ، قواعد عربیه اور قوانین شرعیه کے مطابق نظم قرآن کے معنی سے بحث کی جائے ۔

اسی سے ملتی جلتی تعریف صاحبِ کشف الظنون نے کی ہے ، وہ لکھتے ھیں کہ :

,,تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت کی حد تک عربی زبان کے قواعد کے مطابق نظم قرآن کے معنی سے بحث کی جائے ، علم تفسیر کے موقوف علیه علوم یه ھیں ۔ علوم عربیه ، اصول کلام ، اصول فقة اور مناظرہ و خلافیات ، نیز ان کے علاوہ بعض دیگر علوم ۔

علم تفسیر کی غرض و غایت یه ہے کہ اس کے ذریعے کلام اللہ کے معانی معلوم کئے جائیں ، اور اس کا فائدہ یه ہے کہ صحیح طریقے پر احکام شرعیه کے استنباط پر قدرت حاصل ھو سکے ، اس کا موضوع اللہ تعالی کا کلام ہے جو ھر حکمت کا منبع اور ھر فضیلت کا معدن ہے ۔ اس علم کی اھمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا و آخرت کی سعادت اور فوز و فلاح کا حصول اس پر موقوف ہے،، (۱۳) ۔

خلاصه یه کہ جو وضاحت اور تشریح ، ظاھر کے مطابق ھو ، اور قطعی ھو ، وہ تفسیر ہے ۔ خواہ کلام معصوم سے ھو یا کلام غیر معصوم سے ۔ اور جو تشریح و توضیح ظاھر کے خلاف ھو مگر قواعد اور قرائن سیاق و سباق کے مطابق ھو ، وہ تاویل ہے ۔

موضوعِ تفسیر :

اهل علم کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ مختلف علوم و فنون کا باهم دگر امتیاز و تعارف ، موضوع کے تعین سے هوتا ہے۔ مثلاً طب ایک علم ہے ، صرف و نحو ایک علم ہے۔ان دونوں علوم کےدرمیان جو خط امتیاز کھینچا جائے گا وہ ان کے موضوع هی کے ذریعہ ممکن هو گا ۔ مثلاً طب کا موضوع جسم انسانی ہے؛ اس کی ظاهری بیماریوں اور صحت سے اس میں بحث کی جاتی ہے ، صرف و نحو کا موضوع کلمه اور کلام ہے۔ انهی کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اسی طرح علم تفسیر کا بهی ایک موضوع ہے اور وہ ہے قرآن حکیم ، علم تفسیر میں قرآن کے معانی و مطالب ، اور اغراض و مقاصد سے بحث کی جاتی ہے۔ قرآن کی توضیح و تشریح میں ایسے امور کو بیان کرنا جن کا قرآن کے اساسی اغراض و مقاصد سے کوئی تعلق نهیں ، تفسیر نهیں کهلاسکتا ، مثلاً کوئی شخص قرآنی آیت : ,,یاهامان ابن لی صرحاً (۱۴) کی وضاحت میں انجیئرنگ اور فن تعمیر کے اصول اور اس کی جزئیات سے بحث شروع کر دے تو یہ بالکل ایسا هی هوگا جیسے کوئی طب کی کتاب میں فن تعمیر کا جوڑ لگانے کی کوشش کرے۔

هر فن اپنی اپنی جگه معقول اور مفید ہے ، مگر اس کی افادیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اپنے موضوع کے ساتھ مربوط و متعلق رهے ۔

یهی حال تفسیر کا بهی ہے۔ تفسیر کا موضوع ، اور تفسیر کے مضامین وهی کهلائیں گے جو قرآن کے بنیادی مقاصد سے تعلق رکھتے هیں ، اور اس کا منتهائے فکر هیں ، سائنسی اور صنعتی ترقیات و ایجادات کو مضامین قرآن کے ضمن میں زیر بحث لانا ، قرآن کے اعلیٰ و ارفع اصولِ هدایت ، اور مقاصدِ فوز و فلاح سے روگردانی کے

مترادف ہے۔

توحید رسالت ، اعمال پر سزا و جزا ، اصلاحِ اعمال و اخلاق ، انسان کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تحفظ ، نظم مملکت ، تذکیر آخرت ، اعلائے کلمۃ اللہ ، اصلاح معاشرہ ۔ یہ ھیں وہ پاکیزہ اصول جنھیں مقاصد قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سائنسی اور صنعتی ترقیات کو وحی الٰہی کے مقاصد سمجھنا ، نہ صرف قرآن میں تحریف ہے بلکہ ان اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول سے محروم رہنا ہے جن کی خاطر قرآن حکیم نازل ھوا ، اور جن کی تعلیم و تبلیغ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔

سائنسی ، صنعتی اور زرعی ترقیات ، یہ سب ھمارے دنیوی امور ھیں ، جنھیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ,,انتم اعلم باموِر دنیاکم ،، فرما کر خود ھمارے حوالے کر دیا ۔ ان معاملات میں ھم خواہ کسی حد تک تحقیق و تصرف کریں ، قرآن اس سے تعرض نہیں کرتا، خدا نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان تمام موجودات و مخلوقات پر انسان کو تصرف اور حکمرانی کی قوت بخشی ہے اور اس کو بطور انعام ذکر کر کے یہ ظاھر کر دیا ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ ساری کائنات مسخر کر دی گئی ہے ۔ اس میں گھومو ، پھرو ، تحقیق و تصرف کرو ، اپنی عقل و خرد کو کام میں لاؤ ، اس میں جو چھپے ھوئے خزانے ، اور منافع ھیں ، ان کا کھوج لگاؤ ، اور ان سے مقدور بھر فائدہ اٹھاؤ :

وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بأمرہ ۔ (۱۵)

جیسی آیات پر جہازوں کی صنعت و حرفت پر بحث کرنا کہ جہاز اور کشتیاں کیسے بنائی جاتی ھیں ۔ اس کے کیا اصول اور طریقے ھیں ، اس کے بنانے والوں کو کیا تعلیم دی جائے ، نصاب تعلیم

کیا ہو اور وہ کیا کیا سائنسی علوم و اصول ھیں جن کے ذریعے یہ صنعت ترقی پذیر ہو سکے ۔ اس آیت کے ضمن میں جہاز سازی اور جہاز رانی کی جزوی تفصیلات میں پڑنا ہر گز تفسیر قرآن نہیں کہلا سکتی ۔ اس طرح کی تفاسیر ، قرآن کے حقیقی مقصد کو مجروح کرنے کے مترادف ھیں ۔ قرآن نے جس دنیوی زندگی کے انہماک سے انسانوں کا رخ اخروی زندگی کی طرف پھیرا تھا ، اور ,,وانیبوا الی ربکم،، کی بار بار کی صداؤں سے اس کا رخ صحیح منزل کی طرف موڑ دیا تھا ، اس قسم کی تحقیقات اس رخ کو غلط ثابت کر کے اسے پھر دور جاھلی کی طرف لوٹا دیں گی ۔

سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ اس طرز اور اسلوب کو معیار بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگیاں ھی قرآن کے مفہوم و معانی سے مختلف اور بے تعلق نظر آئیں گی ۔ اگر محض سائنسی علوم و تحقیقات کا محور قرار دیدیا جائے تو قرآن سے سب سے زیادہ ناواقف صحابہ ھی نظر آئیں گے ۔ قرآن نہ تو فلسفہ کی کوئی کتاب ہے اور نہ سائنسی تحقیقات کا مجموعہ ۔ وہ تو طبِّ روحانی کی آخری اور بےمثل کتاب ہے جس میں بنی نوع انسان کی روحانی اور قلبی بیماریوں کے لئے داروئے شفا ہے ۔

بات یہ ہے کہ قدرت نے صنعت و حرفت اور مادی ترقیات کے تمام شعبے انسانوں کی فکرونظر کے حوالے کر دیئے ھیں کہ تم جو چاھو سو کرو ۔ بہتر سے بہتر مشینیں بناؤ ، آواز سے زیادہ تیز رفتار سواریاں ایجاد کرو ، انسان کی خوش حالی ،فلاح و بہبود، اور تباھی وبربادی کے چاھے جتنے مؤثر سامان پیدا کرو ۔ یہ سب تمھاری صواب دید پر ھیں ۔ مگر اُنھیں نہ علوم قرآن کہو ، اور نہ اُنھیں قرآن کا موضوع بناؤ ۔

سوچنے کی بات ہے کہ قرآن معجزہ ہے ، اللہ کی آخری کتاب ہے ، اس کے احکام ، مسائل اور اصول و کلیات سب اٹل ھیں ۔,,لاتبدیل لکلماتِ اللہ ،، اور سائنسی تحقیقات و ایجادات ہر روز بدلتی ھیں ، آج ایک تحقیق صحیح ہے ، کل وھی غلط ھو جاتی ہے ۔ کیا ایسی صورت میں قرآن کو عالم گیر اور ابدی کتاب ھدایت کہاجا سکے گا ؟

بات وھی ہے کہ تفسیر کا موضوع وھی علوم الٰھیہ ھیں جن کی تفسیر و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ، آپ کے اقوال و افعال ، اور صحابہ کی روایات نے کی ہے ۔

ضرورت تفسیر :

یہ بات فطری بھی ہے ، اور بدیہی بھی کہ ہر متکلم کی خصوصیات ، اس کے کلام میں جلوہ گر ھوتی ھیں ۔ متکلم کا فکروذھن ، اور افکار و خیالات جس قدر بلند ھونگے اس کا کلام اور گفتگو بھی اس درجہ بلند ھو گی ۔ بعض کلام اتنا بلند ھوتا ہے ، اس میں اس قدر علم و فن ھوتا ہے ، اور وہ ایسے اصول و ضوابط پر مشتمل ھوتا ہے کہ عام اذھان اس کو سمجھنے سے قاصر رھتے ھیں ۔ ظاھر ہے ایسا کلام وضاحت اور تفسیر کا محتاج ھوتا ہے ۔ تو قرآن حکیم ، اللہ کا کلام ہے ، جس کے ذریعے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا ۔ یقیناً اللہ کا کلام لا محدود عظمتوں کا مظھر ھوگا ، ھر کس و ناکس کے لئے اس کی عظمتوں، اور حقائق و معارف کا ادراک کیوں کر ممکن ھو سکتا ہے ، اور بغیر شرح و تفسیر ھر شخص منشائے الٰھی کو کیسے سمجھ سکتا ہے ۔

بلا شبہ کلام الٰھی کی عظمت ، اور جامعیت ، شرح و تفسیر کی محتاج تھی ، اس لئے اللہ تعالی نے اپنے کلام کا شارح اور مفسر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر بھیجا ۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزّل الیهم ـ (١٦)

ہم نے آپ کی طرف وحی (قرآن) کو اتارا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس وحی کو بیان کریں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس طرح قرآن کی تشریح ، اور وضاحت ، اور تفسیر کا حق رسولؐ کو دیا گیا کہ آپ اپنے اقوال ، احوال ، اور افعال سے قرآن حکیم کی شرح فرمائیں ۔ اس حقیقت کو أم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ سے تعبیر کیا :

,,کان خلقه القرآن ،، آپ کی عادت ، اور سیرت مبارکة عین قرآن تھی۔

پھر اس کے ساتھ اللہ نے آپ کے اقوال و ارشادات کو اپنی وحی بنا دیا : ,,وما ینطق عن الهویٰ ، إن هو إلاّ وحی یوّحیٰ ،، (١٧) تاکہ آپ کی طرف سے بیان کی ہوئی ہر تفسیر و تشریح خود صاحب قرآن کی تفسیر سمجھی جائے :

قرآن عربی میں نازل ہوا ، اور ان لوگوں میں نازل ہوا جن کی مادری زبان عربی تھی ، لیکن ان کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہوا کہ ہر شخص از خود قرآن سمجھ لے اور منشائے الٰہی کو پالے ۔ بلکہ وہ قدم قدم پر اس کے محتاج رہے کہ خود حاملِ قرآن ، اس کے حقیقی مفہوم کی وضاحت کرے ۔

روایات میں آتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی :

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئک لهم الأمْنُ وهم مهتدون ـ (١٨)

(بے شے جو لوگ ایمان لائے ، اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا ، وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن و سلامتی ہے ، اور جو ہدایت یافتہ ہیں ۔)

تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے ، حضور علیہ السلام سے کہنے لگے : یا رسول اللہ!ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو ، ہر شخص سے کچھ نہ کچھ ظلم اور زیادتی سرزد ہو جاتی ہے ،، ۔ آپ نے ارشاد فرمایا : نہیں ، یہ وہ ظلم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو ۔ آیت میں جس ظلم کا ذکر ہے ، اس سے ظلم عظیم یعنی شرک مراد ہے ۔ قرآن نے خود ایک دوسرے مقام پر ,,ان الشرک لظلم عظیم ،، کہہ کر اس کی وضاحت کر دی ہے ۔ آپ کی تفسیر اور وضاحت سے صحابہ کی پریشانی دور ہوئی ۔ اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی ۔ ,,حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود ،، (۱۹) تو ایک صحابی سحری کھانے کے بعد دو دھاگے لے کر لیٹ گئے اور ان کو دیکھنے لگے کہ سفید دھاگا ، سیاہ دھاگے سے کب ممتاز ہوتا ہے ۔ انھوں نے آیت کے ظاہری معنی سمجھے ، حالانکہ یہ بطور محاورہ تھا جب حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ بھی ان صحابی کے بھولے پن سے محظوظ ہوئے ، اور خود اللہ جل شانہ کی طرف سے وضاحت نازل ہوئی ,,من الفجر ،، اور حضور نے منشاء الٰہی بیان فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب صبح کی سفیدی نمایاں ہونے لگے، اس وقت سحر کا وقت ختم ہو جاتا ہے ۔

صحابہ کرام فصاحت و بلاغت کا پیکر تھے ، عقل و فہم میں بھی ایسے کامل تھے کہ تاریخ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے قلوب براہ راست انوار نبوت سے منور اور تاباں ، حضور کے مزاج سے آشنا ، اور فیض تربیت سے بہرہ ور تھے ۔ لیکن اس سب کے باوجود بسااوقات قرآن کی مراد سمجھنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے محتاج ہوتے ہیں ۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ انسان

کا فہم و ادراک ، قرآن کی مراد سمجھنے میں تفسیر و تشریح کا محتاج ہے۔ اور قرآن کی اصل اور حقیقی تفسیر ، خود حامل قرآن کا بیان ہے۔ تو یہ دعوی کرنا کہ قرآنی علوم براہ راست سمجھے جا سکتے ھیں اور ان علوم کو سمجھنے کے لئے شارح وحی کی ضرورت نہیں ، عقل ، حقیقت اور بداھت ، سب کے خلاف ہے۔

اس بات کو سمجھانے کے لئے اگر تھوڑا سا منطقی انداز اختیار کریں تو یوں کہہ سکتے ھیں کہ : شرح و تفسیر سورج کی روشنی کی طرح ہے ، اور سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے لئے قوت بینائی کا ہونا ضروری ہے ، خارج میں موجود اشیاء کو دیکھنے کے لئے نہ صرف روشنی کافی ہے ، اور نہ محض بینائی ، بیک وقت دونوں چیزوں کا وجود ضروری ہے۔

اسی بنا پر آفتاب نبوت کی روشنی میں رہتے ہوئے فکر و تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا چاھیے کہ محض تدبر اور فکر انسانی فہم قرآن کے لئے کافی نہیں ہے۔ فہم قرآنی کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ رشید رضا نے تفسیر ,,المنار،، کے مقدمہ میں لکھا ہے :

,,قرآن مجید کی تفسیر میں گفتگو کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور بعض اوقات تو یہی کام مشکل ترین اور اھم بن جاتا ہے۔ مشکل ہونے کی وجہ سے کام کو چونکہ چھوڑا نہیں جا سکتا لہذا اس کے حصول سے باز نہیں رہنا چاھیئے۔

اس کے مشکل ہونے کی کئی وجوہ ھیں ۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ قرآن حکیم آسمانی کلام ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے جسکی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں ، کامل ترین نبی پر نازل ہوا ہے اور یہ کلام بلند معارف اور اعلیٰ مطالب پر

مشتمل ہے۔ دانش و بینش رکھنے والوں اور نیک لوگوں کے سوا کوئی اور اس سے آگاہ نہیں ہو سکتا ۔ مفہوم قرآن کے متلاشی کو اس ہیبت و جلال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ہستی باری تعالیٰ کی طرف سے اس پر طاری ہوتا ہے "۔ (۲۰)۔ پھر بفحوائے ولقد یسرنا القرآن علامہ رشید رضا کا ارشاد ہے:

"لیکن اللہ تعالی نے اس کلام کو ہمارے لئے آسان کر دیا کہ اس نے ہمیں اپنے کلام کو سمجھنے اور اس سے حکمت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اللہ نے اپنی کتاب کو ہدایت اور روشنی بنا کر اتارا ۔ اس میں لوگوں کے لئے دین کے طریقے اور مذہب کے احکام کھول کھول کر بیان کئے ہیں ۔ اور اس کی آسانی کا اندازہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کو کماحقہ سمجھا جائے "۔(۲۱)

ظاہر ہے کہ پوری طرح سمجھنے کے لئے کلام اللہ کی تفسیر و تشریح نہایت ضروری تھی ۔ اس کلام کے مضامین کو کھول کھول کر بیان کرنے اور اس کے مطالب کو سامعین کے فہم سے قریب کر دینے ہی کا نام تفسیر ہے۔

فنِ تفسیر:

تفسیر پر بہ حیثیت فن گفتگو کرتے ہوئے علامہ رشید رضا نے کہا ہے:

"اور تفسیر سے ہماری مراد ایسی تفسیر ہے جس سے کتاب اللہ کو سمجھا جا سکے اس حیثیت سے کہ وہ دین ہے اور لوگوں کو ان کی دنیوی اور اخروی راہ دکھانا مقصود ہے۔ اور فہم قرآن کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے ۔ اس کے علاوہ مباحث

چاھے کچھ بھی ھوں وہ سب کے سب اس کے تابع یا اس کے حصول کے ذرائع ھیں ۔

,,تفسیر کی مختلف صورتیں ھیں :

,,پہلی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے طرز بیان اور اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے اور بلاغت کی ان اقسام کو پرکھا جائے جن پر وہ مشتمل ہے۔ کیونکہ اسی طرح کلام اللہ کے بلند مرتبہ کو سمجھا اور دوسروں کے کلام سے اسے ممیز کیا جا سکتا ہے۔

علامہ زمخشری نے اسی طریقے کو اختیار کیا ۔ تاھم انھوں نے دوسرے مقاصد کی طرف بھی کچھ نہ کچھ توجہ دی ہے۔ علامہ کی پیروی میں کئی دوسرے لوگوں نے بھی اسی طریقے کو اپنایا ہے۔

,,دوسری صورت یہ ہے کہ اعراب کی پہچان اور ان کا علم حاصل کیا جائے۔ بہت سے لوگوں نے اسے اھمیت دی ہے اور جو مباحث اعراب والفاظ قرآنی سے متعلق ھیں ، انھیں شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

,,تیسری صورت یہ ہے کہ قصص قرآن معلوم کرنے کی جستجو ھو۔ بےشمار لوگوں نے اس روش کو اپنایا ہے۔ انھوں نے تاریخی کتابوں اور اسرائیلی روایتوں کی مدد سے قرآن مجید کے قصص میں زیب داستان کے طور پر کچھ اضافے بھی کئے ھیں ۔ اس کے لئے محض تورات ، انجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر ھی اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے جو کچھ سنا ، اسے بھی قبول کر لیا اور کسی تفحص کے بغیر جو کچھ جہاں سے ملا اسے اکھٹا کر کے ایسی روایات جمع کر دی ھیں جو عقل و شریعت دونوں کے خلاف ھیں ۔

,,چوتھی صورت یہ ہے کہ غرائب قرآن کی تلاش کر کے انھیں جمع کیا جائے۔

,,پانچویں صورت یہ ہے کہ عبادات و معاملات سے متعلق احکام شرعی کو ڈھونڈ کر ان سے استنباط کیا جائے۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے آیات احکام کو جمع کر کے علیحدہ طور پر ان کی تفسیر بھی کی ہے۔ ابو بکر ابن عربی اسی زمرے میں شامل ھیں۔ علم فقہ سے دلچسپی رکھنے والے مفسرین نے عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والی قرآنی آیات کو دوسری آیات کے مقابلہ میں زیادہ اھمیت دی ہے۔

,,چھٹی صورت یہ ہے کہ اصول عقائد کا بیان ھو جس سے گمراھوں کو جھنجھوڑا جا سکے اور اختلاف رکھنے والوں سے مناظرہ کیا جا سکے امام رازیؒ نے اس طریقے کو بہت اھم خیال کیا ہے۔

,,ساتویں صورت یہ ہے کہ پند وموعظت کا انداز اختیار کیا جائے تاکہ اصلاح احوال ممکن ھو سکے۔ اس طرز کو صوفیاء حضرات نے متصوّفانہ حکایات شامل کر کے کچھ خلط ملط سا کر دیا ہے اور بعض مقامات پر تو وہ ان حدود سے بھی تجاوز کر گئے ھیں جنھیں قرآن حکیم نے آداب و فضائل کے بارے میں وضع کر رکھا ہے۔

,,آٹھویں صورت جسے اشارہ بھی کہتے ھیں ، تفسیر کی اس صورت کا نام ہے جس میں فرقۂ باطنیہ کا کلام صوفیا کے کلام کے ساتھ مل کر باعث اشتباہ بن گیا ہے۔ اس قبیل کی تفاسیر میں وہ تفسیر قرآن بھی شامل ہے جسے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ وہ قاشانی

ایسے مشہور باطنی کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں ایسی اختلافی باتیں موجود ہیں جن سے اللہ کا دین اور اسکی کتاب بری الذمّہ ہے ،، ۔ (۲۲)

ان آٹھ صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد علامہ نے محاکمہ کے طور پر مقدمہ میں لکھا ہے :

,,میں خوب جانتا ہوں کہ ان مقاصد میں سے کسی خاص مقصد پر زیادہ توجہ دینا کتاب اللہ کے حقیقی مقصود سے دور ہو جانے کے مترادف ہے۔ سوچ کا یہ انداز انسان کو ایسی راہ پر لگا دیتا ہے کہ اصل مطلب تک رسائی نہیں ہوتی ۔ اس لئے تفسیر میں ہم نے جس چیز کو اہمیت دی ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں کہ کتاب اللہ کو اس حیثیت سے سمجھنا چاہیئے کہ وہ دین ہے اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ دنیوی زندگی میں اصلاح امور اور اخروی زندگی میں حصول فلاح کے لئے جامع کلام ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے وجوہ بلاغت کا بیان بھی تبعاً اسی قدر لازم ہو گا جتنا اخذ مطالب کے لئے ضروری ہے اور اعراب کی تحقیق بھی اسی قدر ہو گی جتنی کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لئے درکار ہے۔

,,بقدر ضرورت ان معانی کو سمجھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے چاہے وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی سی زبان بھی بولتا ہو ۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص قرآن مجید سے اس قدر سوجھ بوجھ پیدا کرے کہ اسکی وجہ سے وہ اپنے نفس کو خیر کی طرف راغب کر سکے اور شر سے بچا رہے ، یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے اس کلام کو ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے ،، ۔ (۲۳)

تفسیر مأثور ۔ تفسیر بالرائے

قرآن حکیم کی تفسیر محض روایات سے کی جائے ، اور مدارِ تفسیر اُن روایات و منقولات کو قرار دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، یا ان کے صحابہ سے ثابت و مروی ھیں ۔ یا تفسیر قرآن میں رائے اور اجتہاد سے بھی مدد لی جائے ؟ علماء کے درمیان یہ ایک مشکل اور پیچیدہ مسئلہ رہا ہے ۔ بعض سلف نے تفسیر میں مطلقاً رائے اور اجتہاد کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے ، اور بعض اھل علم مطلقاً اس کے جواز کے قائل ھیں ۔

جن علمائے سلف نے تفسیر میں رائے کے استعمال کو ممنوع قرار دیا انھوں نے اپنے استدلال میں دو روایتیں نقل کیں ۔ ایک روایت ابو داؤد نے ذکر کی اور ایک روایت ترمذی اور نسائی نے ۔

روایت کے الفاظ یوں ھیں :

,,من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوّأ مقعدہ من النار ،،

(جو شخص قرآن کے بارے میں بغیر علم و تحقیق کے کوئی بات بیان کرتا ہے ، اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لینا چاھئیے) دوسری روایت کے الفاظ ھیں :

,,من تکلم فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطا،، (جس نے قرآن کے متعلق اپنی رائے سے کوئی بات کی ، اگرچہ وہ درست ھو ، پھر بھی وہ شخص غلطی کا مرتکب ھوا) ۔

مذکورہ بالا مسلک کے بارے میں دوسری روایت زیادہ واضح ہے ۔ روایت کے ظاھری اطلاق کو دیکھتے ھوئے انھوں نے کہا کہ تفسیر قرآن میں رائے کو مطلقاً دخل نہیں دینا چاھیۓ ، جو حضور سے اور آپ کے صحابہ سے منقول ھو اس کو اختیار کرنا چاھیۓ ۔

جو علماء ، تفسیر بالرائے کی ممانعت کے قائل ھیں ، وہ کثرت سے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ھیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے :

,,اگر میں نے قرآن کے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کہدی تو پھر میں کس طرح زمین پر رھوں گا ، اور کون سا آسمان ہے جو مجھے اپنے نیچے جگہ دے گا ,, ۔ (۲۴)

ایک مرتبہ آپؓ سے ایک آیت ,,وفاکھۃ وأبّاً،، کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہی جواب دیا ۔

کسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے متعلق سوال کیا ، تو آپ نے جواب دیا کہ: فاکھۃ کو تو ھم جانتے ھیں، مگر ,,أبّاً ،، کے بارے میں ھمیں معلوم نہیں ، انس بن مالک کہتے ھیں کہ حضرت عمر کی مراد یہ نہ تھی کہ انھیں ,,أبّاً،، کے لغوی معنی بھی معلوم نہ تھے ، لغوی معنی تو سب جانتے تھے کہ چارے کے ھیں ، ان کا مقصد یہ تھا کہ اس مقام پر اس سے کیا مراد ہے ، اور یہاں کس کیفیت کا اظہار مقصود ہے ، اس کی صحیح تحقیق اور حتمی علم نہیں ، اور بلا علم و تحقیق اپنی طرف سے کوئی مراد بتانا ,,رائی منہی ،، کی تعریف میں داخل ہے ۔

سعید بن مسیب (م : ۹۱ ھـ) سے کوئی کسی آیت کی تفسیر پوچھتا تو کہتے : ھم قرآن میں بلا علم کے لب نہیں ھلاتے ،، ۔ (۲۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیگر بے شمار دلائل و شواھد کے علاوہ ، اگر ان دلائل اور امثلہ ھی میں غور و فکر کیا جائے جو تفسیر میں ,,رائے ،، کے استعمال کو ممنوع قرار دینے والوں نے پیش کی ھیں ، تو انھی سے تفسیر میں رائے ، کے استعمال کا ثبوت ملتا ہے ۔

حضرت ابوبکر صدیق کا قول نقل کیا گیا ، اس میں انھوں نے کہا کہ ,,بلا علم کے اگر کوئی بات کہوں تو ۰۰۰ ،، اس سے صاف

ظاهر ہے کہ قرآن کی کسی آیت کی تفسیر وتوضیح کے متعلق اس وقت لب کشائی کرنی چاھیے جب صحیح علم اور مکمل تحقیق ھو ۔ بلا علم و تحقیق کسی آیت کا مفہوم معین کرنے یا کسی لفظ کی وضاحت کرنے سے بچنا چاھیئے ۔

اسی طرح سعید بن مسیب کا جواب ہے ، وہ بھی یہی کہتے ھیں کہ : بلا علم کے تفسیر قرآن میں لب کشائی نہیں کرتے ۔ مقصد یہ ہے کہ جس آیت کے مدلول ، اور مفہوم کے بارے میں قطعی علم ھوتا ہے ، وھاں اس کی تفسیر بیان کرتے ھیں ۔

بات صرف اتنی ہے کہ یہ اصحاب تفسیر قرآن میں حد درجہ محتاط تھے کہ کوئی ایسی وضاحت و تشریح زبان سے نہ نکل جائے جو صاحب قرآن اور حامل قرآن کا منشا نہ ھو ، اگر یہ حضرات صرف منقولات پر تکیہ کرتے تو پھر ان سے اقوال تفسیر کیوں کر منقول ھوتے ۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جہاں قطعی علم اور اذعان و یقین نہیں ھوتا تھا ، وھاں خاموش رہتے تھے ، لیکن جہاں علم ھوتا تھا وھاں برملا آیات قرآن کی توضیح و تشریح کرتے تھے ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ھیں :

,,یہ دونوں ھی باتیں ھر ایک پر واجب ھیں ، بے علمی کے وقت خاموش رھنا ، اور علم و آگہی کے وقت بیان کرنا ، خود قرآن کا یہ حکم ہے ۔ ,,لتبیننه للناس ولا تکتمونه : (تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رھو ، چھپاؤ نہیں) حدیث میں ہے ۔ جس سے جو مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے جاننے کے باوجود ظاھر نہ کرے ، چھپائے رکھے ، تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام لگائی جائے گی ،، ۔ (٢٦)

علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی ,,حدیث،، من تکلم فی القرآن برایه فاصاحب فقد اخطاء ،، کی صحت پر کلام کرتے ھیں اور

کہتے ھیں :

,,اگر بالفرض اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کی مراد یہ ہے کہ جس نے اپنی خواھشات اور آراء کے مطابق قرآن کی تفسیر کی ، بایں طور کہ اس کی رائے اور مسلک اصل ھو گیا ، اور تفسیر اس کی تابع بن گئی تو یہ بہر صورت خطا ہے ، اور ایسی ھی تفسیر کے بارے میں اس وعید کو محمول کیا جائے گا ۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں جو متشابہات ھیں جن کی مراد سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا ، ان کی تفسیر و توضیح بیان کی ۔

یا یہ مراد ہے کہ جن الفاظ کے معنی قطعی ، اور محکم ھیں ان کے کوئی محتمل معنی بیان کئے ۔ اور کہا ۔ اللہ کی مراد یوں ہے ۔ ،، (۲۷)

اسی ضمن میں ، تفسیر بالرائے کی ممانعت کرنے والوں نے جو دوسری حدیث پیش کی ہے کہ : جس نے بغیر علم کے قرآن کے بارے میں کوئی بات کی ، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے ۔ اس حدیث کے علامہ آلوسی رحمہ اللہ دو معنی بیان کرتے ھیں ، کہتے ھیں :

,,اس حدیث کا ایک منشا یہ ھو سکتا ہے کہ مشکلات قرآن کے بارے میں ایسی بات بیان کی جائے جس کا پورے طور پر علم نہ ھو ، کسی بھی قرآنی آیت اور عبارت کی اس طرح کی توضیح و تشریح اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینے والی ہے ۔

اس حدیث کی دوسری توجیہہ یہ ھو سکتی ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں وہ بات کہی جائے جس کے متعلق کہنے والا خود یہ سمجھتا ہے کہ یہ منشاء قرآن نہیں ہے اور حق اسکے علاوہ ہے ۔ وہ پہلے سے اپنے قائم کردہ کسی نظریے کو ثابت کرنے کے لئے یا کسی ایسی بات کی دلیل بنانے کے لئے جس کی اصل قرآن میں نہیں ہے ،

تشریح کرتا ہے ، یہ صورت بلا شبہ اس تفسیر بالرائے کے ذیل میں آئے گی جس سے منع کیا گیا ہے ،، ۔ (۲۸)

حدیث ابن عباس ، جس میں ہے ،،جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کلام کیا اور بعض طرق میں ہے بغیر علم کے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے ، امام قرطبی دو معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں ۔ ،، :

ایک یہ کہ : جو شخص مشکلات قرآن کے متعلق کبار صحابہ ، اور کبار تابعین کے آراء اور مسالک جانے بغیر اپنی رائے اور سمجھ سے کوئی بات بیان کرتا ہے ، وہ اس حدیث کا مصداق ہے ۔

دوسرے معنی یہ ھیں کہ : یہ تہدید اس شخص کے بارے میں محمول کی جائے جو قرآن کی ایسی توجیہ وتاویل کرتا ہے جس کے بارے میں اسے خود معلوم ہے کہ وہ حق کے خلاف ہے ،

لیکن پہلی توجیہہ زیادہ محکم ، زیادہ صحیح ، اور قرین قیاس ہے ۔ ،،

اور حدیث جندب ، جس میں ہے ۔ ،،من قال فی القرآن برأیه فاصاب ، فقد اخطاء ،، یعنی جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا ، اگر وہ صحت و ثواب کو بھی پہنچا تب بھی اس نے غلطی کی ، اس حدیث کو بعض اهل علم نے اس امر پر محمول کیا ہے کہ اس مقام پر ،،رائے،، سے مرضی اور خواهش کے معنی مراد ھیں ، یعنی جس نے قرآن میں اپنی خواهش کو دخل دیا ، اور أئمه سلف سے رہ نمائی حاصل نہ کی ، تو اس کی رائے اگر صحیح بھی ہوئی تب بھی وہ غلطی کا مرتکب ہے ،، ۔ (۲۹)

تفسیر قرآن میں رائے اور اجتہاد کو دخل ہے یا صرف نقل اور سماع پر انحصار کیا جائے ؟ ۔ امام قرطبی رحمه الله قدرے وضاحت کے

ساتھ لکھتے ھیں :

,,یہ کہنا کہ تفسیر سماع پر موقوف ہے ، ایک فاسد اور مہمل بات ہے ، اس لئے کہ تفسیر قرآن کی ممانعت سے یا تو یہ مراد ہو گی کہ محض نقل ، اور سماع پر انحصار کیا جائے ، اور اجتہاد و استنباط کو کلی طور پر ترک کر دیا جائے ۔ یا اس کے سوا اور کوئی مراد ہو گی ۔ لیکن یہ مراد باطل اور مہمل ہے کہ تفسیر قرآن کو صرف سماع پر موقوف کر دیا جائے کیوں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قرآن پڑھتے تھے ، اور بعض آیات کی تفسیر میں اختلاف کرتے تھے ، اس کے مختلف معنی اور مفہوم مراد لیتے تھے ۔ یہ نہیں تھا کہ جو حضور علیہ السلام سے سنا ، وھی بیان کیا ، اور نہ امر واقعہ یہ تھا کہ وہ جو کچھ تفسیر آیات کے ضمن میں بیان کرتے تھے وہ سب حضور علیہ السلام سے سنا ھوا ھوتا تھا ۔

مستند روایات سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی : ,,اللہم فقہہ فی الدین و علمہ التاویل ،، اگر تاویل وتفسیر محض سماع پر موقوف ھوتی تو پھر حضور کی اس دعا کا اور دعا میں حضرت ابن عباس کی تخصیص کا کیا فائدہ ،، ۔ ؟ (۳۰)

بعض علماء نے کہا کہ تفسیر قرآن میں وہ رائے ، اور اجتہاد حرام ہے کہ تفسیر کرنے والا بغیر کسی قطعی دلیل کے کہے کہ اللہ تعالی کی مراد بالیقین فلاں ہے ۔ یا تفسیر کرنے والا قواعد لغت عربیہ ، اور اصول شریعت سے انحراف کر کے کوئی معنی اور مفہوم بیان کرے ، اور تمام تر شرعی و لغوی اصول و ضوابط کو بالائے طاق رکھ کر ، قرآن کو اپنی خواہش اور منشاء کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے تو

بلا شبه یه حرام ہے۔ جیسے بعض لوگوں نے آیت فخذ اربعة من الطیر فصر ھن الیک ثم اجعل علی کل جبلٍ منہن جزءاً(۳۱) کی تفسیر میں یہ معنی بیان کئے کہ : ,,حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ چار پرندے مختلف پہاڑوں پر بٹھا دو ، پھر ان کو آواز دو ، وہ آپ کی مانوس آواز پر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے،،

یہ تفسیر قطعاً تحریف ہے کیونکہ امت کے تمام علماء اور مفسرین نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ھیں کہ پرندے کے چار ٹکڑے کر کے ان کو پہاڑ کے مختلف حصوں پر رکھ دو۔ پھر انھیں آواز دو ، وہ ٹکڑے زندہ ھو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے ۔ یہ نہ صرف علمائے امت کی بیان کردہ تفقہ تفسیر اور معنی ھیں بلکہ قرآن کا سیاق و سباق بھی یہی کہہ رہا ہے کہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے ۔ کیونکہ اللہ تعالی ، حضرت ابراھیم علیہ السلام کو احیائے موتی کی کیفیت سمجھانا ، اور دکھانا چاھتے ھیں ۔

ھاں ، اگر مفسر میں وہ تمام شرائط موجود ھیں (اور وہ ان کی پیروی بھی کرتا ہے) جو علماء نے تفسیر قرآن کے لئے عائد کی ھیں ، تو پھر رائے اور اجتہاد کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ شرائط کی رعائت کے بعد خود قرآن ، اپنی تفسیر و تاویل میں رائے اور اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے : افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها ، (۳۲) کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب ، (۳۳) لعلمه الذین یستنبطونه منهم (۳۴) اللہ تعالی نے ایک آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی جو اس کی آیات میں اور اس کے کلام میں غور و فکر نہیں کرتے اور دو آیتوں میں ان لوگوں کی تعریف کی جو اس کے کلام میں غور و فکر سے کام لیتے ھیں ، اور معانی و مطالب کی اصل حقیقت اور گہرائی تک پہنچنے کی

کوشش کرتے ھیں ۔

عقلی نقطۂ نظر سے یہ اس لئے بھی ضروری معلوم ھوتا ہے کہ معاشرہ جامد نہیں ھوتا ، تغیرّ پذیر ھوتا ہے ، معاشرے کے افراد ، اور جماعت کو نئے نئے مسائل پیش آتے رھتے ھیں ، نت نئے مسائل کے لئے ضروری ہے کہ ایک عالم دین اور ماھر قرآن و سنت ، ان کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرے ، اگر قرآن سے استنباط مسائل کا دروازہ بند کر دیا جائے تو قرآن کے عالم گیر کتاب ھدایت ، اور ابدی دستور حیات ھونے کی حقیقت محلِّ فکرونظر بن جائے گی۔

ائمۂ تفسیر اور علماء نے تفسیر مأثور ، اور تفسیر بالرائے کے بارے میں جو نقد و جرح کی ہے ، اس سے یہ نتیجہ اخذ ھوتا ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر کے متعلق کوئی نص صریح ، حضور علیہ السلام کا واضح ارشاد ، یا صحابہ کرام کا اجماع ہے تو پھر وھاں رائے اور اجتہاد کا کوئی سوال پیدا نہیں ھوتا ، ایسے مواقع پر اپنی رائے سے کوئی معنی بیان کرنا حرام ھو گا ، اگرچہ مفسر میں وہ تمام شرائط پائی جاتی ھوں جن کا ھونا علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں کوئی حرج نہ ھو گا جب تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے کے مابین کوئی تعارض نہ ھو ، نیز تفسیر کرنے والا ان تمام شرائط کی کلی طور پر رعایت کرتا ھو جو اس ضمن میں ذکر کی گئی ھیں ۔

جواز اور عدم تناقض کی ایک مثال اس قرآنی آیت میں موجود ہے ۔ فمنہم ظالم لنفسہ و منہم مقتصد ، ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ ۔ (۳۵) بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا : سابق وہ شخص جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب آ جائیں ، مقتصد وہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ھوں ظالم وہ جو بعض محرمات کا مرتکب ھو ۔ بعض دوسرے مفسرین نے یہ تفسیر کی :

سابق سے مراد مخلص فی العمل ، مقتصد وہ شخص جس کے اعمال اور نیات میں ریا اور دکھاوا ہو ، ظالم ، وہ جو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا ہو ۔

ایک اور طبقے نے اس آیت کی یہ تفسیر کی : سابق جو ہر وقت خیر پر آمادہ رہے ، مقتصد ، جس کے اعمال صالحہ کے ساتھ اعمال سیئہ بھی خلط ملط ہوں ، ظالم وہ جو اللہ کے حکم اور فیصلے پر آس لگائے بیٹھا ہو ۔

بظاہر یہ تین مختلف تفسریں اور آراء ہیں مگر ان تینوں میں کوئی باہمی تعارض نہیں اور نہ ان میں کوئی تفسیر ایسی ہے جو قواعد لغت عربیہ اور اصول شریعت کے خلاف ہو " ۔ (۳۶)

شرائط مفسر :

صحابہ ، تابعین ، تبع تابعین ، اور علمائے سلف کی ایک جماعت نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کسی شخص کو قرآن حکیم کی تفسیر میں رائے کو دخل نہیں دینا چاہئے ۔ اگرچہ وہ عالم ہو ، ادیب ہو ، فقہ ، اصول ، نحو و صرف ، اخبار و آثار ، اور معرفت ادلۃ میں مہارت تامہ رکھتا ہو ، اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے ، اسی پر اکتفا کرے ۔ لیکن سلف صالحین بلکہ صحابہ کے آخری ، اور تابعین کے ابتدائی دور میں ایک طبقہ اس رائے کا حامل پیدا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ان علوم کا جامع ہے جن کی ایک مفسر کو ضرورت ہے مثلاً ۔ لغتِ عرب ، صرف و نحو ، اشتقاق ، علم بلاغت ، کلام ، عقائد ، فقہ ، اصول ، حدیث ، اسبابِ نزول ، ناسخ و منسوخ کی معرفت وغیرہ ، تو ایسے شخص کے لئے جائز و ممکن ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر میں رائے سے کام لے ۔ لیکن اگر کوئی شخص ان علوم کی معرفت و مہارت

کے بغیر تفسیر قرآن میں رائے کو استعمال کرتا ہے تو وہ اس سے تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوگا جس کی حضور علیہ السلام نے ممانعت فرمائی ہے ۔

اس طبقے نے جن اہل علم و فن کے لئے تفسیر قرآن میں رائے کے استعمال کو جائز و ممکن کہا ہے ، ان کے نزدیک بھی ان تمام شرائط اور حدود و قیود کی کلی طور پر پابندی لازمی ہے جن کا ذکر کیا جاتا ہے :

۱ ۔ علماء نے مفسر کے لئے جو شرائط لازم کی ھیں ، ان میں امام طبری سب سے پہلی شرط ,,اعتقاد صحیح ،، کو قرار دیتے ھیں :

,,مفسر کے واسطے جو شرطیں لازم ھیں ، ان میں سب سے پہلی شرط اعتقاد کا صحیح ہونا ہے ، سنت رسول کا لزوم اور اس پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا رہنا ۔ کیونکہ جو شخص اپنے اعتقاد کے بارے میں بدنام ہو گا ، اس پر دنیاوی معاملات کے بارے میں بھی اعتماد نہیں کیا جاتا ، چہ جائے کہ دینی امور میں اعتماد کیا جائے ۔

اگر وہ کسی دنیاوی خواهش میں متہم ہے تو بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ، اس لیئے کہ اس سے خطرہ ہے کہ اس کی نفسانی خواهش ، اور طمع اسے قرآن کی ایسی تفسیر کر دینے پر آمادہ کرے جو اس کی مزعومہ ، یا ایجاد کردہ بدعت کے مطابق ہو ۔

مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اعتماد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، آپ کے اصحاب اور ان کے ہم عصر لوگوں کی نقل و روایت پر ھو ، اور وہ بدعات و محدثات سے کلی طور پر پرهیز کرتا ہو ،، ۔ (۳۷)

۲ ـ جو تفسیر کرے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، اور صحابہ کرام کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق ہو ـ کوئی ایسی تفسیر ہر گز معتبر نہ ہو گی جو حدیث مرفوع ، اور صحابہ کے تفسیر ی اقوال کے خلاف ہو ـ مثلاً : ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاری والصابئین من آمن باللہ و الیوم الاخر ،، ـ کی تفسیر میں یہ کہا جائے کہ یہودیت ، نصرانیت ، اور دیگر تمام آسمانی مذاہب کی اصل ایک ھی ہے ـ یعنی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ، اور عمل صالح ، اس لئے کسی بھی آسمانی مذھب پر عمل کرتے ہوئے انسان نجات کا مستحق ہو سکتا ہے ، نجات کو صرف اسلام میں منحصر کرنا درست نہیں ہے ـ یہ تفسیر ، کھلی ہوئی تحریف ہو گی ، اور دین کے اصول موضوعہ کا انکار کہلائے گی ـ کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ من آمن باللہ سے توحید اور آں حضرت کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا مراد ہے ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اس کی وضاحت کرتی ہے : ,,قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ، اگر کوئیَ یہودی یا نصرانی میری بعثت و رسالت کی خبر سنے ، اور پھر اس حال میں مر جائے کہ وہ اس دین پر ایمان نہ لائے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے ، تو اس کا انجام بجز اس کے کچھ نہ ہوگا کہ وہ اھل دوزخ میں سے ہوگا ،، ـ

مقصد یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنا جس سے یہ اشارہ ہو کہ حضور کی بعثت و رسالت کے بعد ، اسلام کے علاوہ اور کسی دین سماوی کے ذریعے بھی نجات ممکن ہے ، قرآن حکیم میں کھلی تحریف ہے ـ نیز قرآن کے واضح ارشاد

,,ان الدین عنداللہ الاسلام ،، اور ,,ورضیت لکم الاسلام دینا،، ـ
کو باطل قرار دینے کے مترادف ہے ، اس کے علاوہ صحت تفسیر کے جو اصول و ضوابط وضع کئے گئے ھیں ، ان کا فوت ھونا بھی لازم آتا ہے ـ

۳ ـ قرآن کے سیاق و سباق کے مطابق ھو ، اگر کوئی ایسی تفسیر کی جائے جس سے کلام الٰھی کا منشاء فوت ھو جائے ، اور ماقبل اور مابعد میں کوئی ربط باقی نہ رھے ، تو وہ تحریف کے مترادف ھو گی ـ جیسے ,,فخذ اربعة من الطیر فصرھن الیک،، کی تفسیر کے بارے میں پہلے ذکر کیا گیا ـ

۴ ـ قواعد لغت عرب اور اھل زبان کے استعمال اور محاورے کے مطابق ھو ـ وہ تفسیر معتبر نہ ھو گی جو قواعد لغت عرب اور ان کے محاورے کے خلاف ھو ، مثلاً ,,اضرب بعصاک الحجر ،، کے معنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چڑھنا مراد لئےجائیں کہ تم پہاڑ پر چڑھو وھاں تم کو پانی کے بہتے ھوئے چشمے ملیں گے ، عصا مارنے سے پتھر میں سے پانی نکلنا مراد نہ لیا جائے ، یہ تفسیر قواعد عربیہ اور اھل زبان کے استعمال کے خلاف ہے ، اس مقام پر کلام الٰھی کا جو منشاء ہے یعنی حضرت موسیٰ کا معجزہ بیان کرنا ، وہ بھی فوت ھو جائے گا ، نیز صریح احادیث کی تکذیب بھی لازم آئے گی ـ

۵ ـ اصول شریعت ، اور ان تمام قواعد کے مطابق ھو جو دین میں مقرر و ثابت ھیں ، اور جن پر ایمان و اعتقاد ضروری ہے ـ ایسی تفسیر معتبر نہ ھو گی جس سے اصول دین کا انکار یا ابطال لازم آتا ھو ، مثلاً ایسی تفسیر کی جائے جس سے انبیاء کے معجزات ، حشر و نشر ، وزن اعمال ، وجود ملائکہ و

شیاطین وغیرہ کا انکار لازم آتا ہو۔

٦ ۔ مقاصد قرآن کے مطابق ہو۔ بایں طور تفسیر نہ کی جائے کہ قرآن کے مقاصد ہی فوت ہو جائیں ، قرآنی آیات کو ان کے حقیقی مقاصد پر حمل کرنے کے بجائے اصول سائنس ، فلسفہ ، صنعتی ترقیات و ایجادات پر محمول کیا جائے۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں ، جن کی پیروی کرنا تفسیر کرنے والے کے لئے لازم و ضروری ہے ، امت کے علماء اور مفسرین اسی کو تفسیر قرآن کہتے ہیں ، ان اصول سے ہٹ کر تفسیر کرنا ، تحریف قرآن کے مترادف ہے۔ (٣٨)

مآخذ و مصادر

١ ۔ القرآن : ٢٥ / ٣٣

٢ ۔ ابن منظور ۔ لسان العرب (مطبع امیر یہ مصر ١٣٢٧ ھ) ۔ ٢ / ٣٦١

٣ ۔ ایضاً

٤ ۔ ابوحیان ۔ البحر المحیط (مکتبة السعادة مصر ١٣٢٨ ھ) ۔ ١ / ١٣

٥ ۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی ١٩٥٩ء) ۔ ٦ / ٣٨٩ ، ٣٩٠ ۔

٦ ۔ جلال الدین سیوطی ۔ الاتقان فی علوم القرآن (طبع قاہرہ ،١٩٠ء) ٢/١٧٤

٧ ۔ ایضاً ۔ نیز دیکھیئے : اصول تفسیر (محمد مالک کاندھلوی) ص : ٩٤ ، تاریخ تفسیر و مفسرین (غلام احمد حریدی) ۔ ص ١٢ ، ١٣ ۔

٨ ۔ الاتقان ۔ ٢ ١٨٣ ، اساس البلاغة (زمخشری) ۔ ١٥/١ ، نیز جمع الجوامع (ابن سبکی) ۔ ٥٦/٢

٩ ۔ الاتقان ۔ ١٧٤/٢

١٠ ۔ سید محمود آلوسی بغدادی ۔ روح المعانی (مکتبہ وہبہ عابدین ١٩٧٦ء) (مقدمہ) ۔

١١ ۔ الاتقان ۔ ١٧٢/٢

١٢ ۔ ایضاً

١٣ ۔ حاجی خلیفہ ۔ کشف الظنون (طبع استنبول ١٣٦٢ ھ) ۔ ١ ٤٢٧

١٤ ۔ القرآن : ٣٠/ ٣٦

١٥ ۔ القرآن : ٣٢/١٤

۱٦ ـ القرآن : ۳۳/۱٦
۱۷ ـ القرآن : ۵۳/۳ ، ۳ .
۱۸ ـ القرآن : ۸۲/٦
۱۹ ـ القرآن : ۱۸۷/۲
۲۰ ـ رشید رضا تفسیر المنار (طبع قاهره ۱۳۷۳ ھ) ـ ۱۷/۱ (مقدمه)
۲۱ ـ ایضاً ـ ۱۷/۱ ، ۱۸
۲۲ ـ ایضاً ـ ۱۷/۱، ۱۸ ، ۱۹
۲۳ ـ ایضاً ـ
۲۴ ـ ایضاً
۲۴ ـ اصول تفسیر (محمد مالک کاندھلوی) ـ
۲۵ ـ ایضاً
۲٦ ـ تفسیر ابن کثیر ـ (مقدمه) ـ
۲۷ ـ تفسیر روح المعانی ـ ٦/۱ (مقدمه)
۲۸ ـ ایضاً
۲۹ ـ محمد بن احمد الانصاری قرطبی ـ الجامع لاحکام القرآن ـ (اداره الکتب المصریه ، ۱۹۴۷ ع) ـ ۳۳/۱ ـ
۳۰ ـ ایضاً ـ
۳۱ ـ القرآن : ۲۶۰/۲
۳۲ ـ القرآن : ۲۳/۴۷
۳۳ ـ القرآن : ۲۹/۳۸
۳۴ ـ القرآن : ۸۳/۴
۳۵ ـ القرآن : ۳۲/۳۵
۳٦ ـ مباحث فی علوم القرآن ص : ۲۹۳ ، ۲۹۴ ، نیز دیکھیئے : متعلقه بحث ـ الاتقان ، مناهل العرفان فی علوم القرآن (محمد مالک کاندھلوی) ـ
۳۷ ـ الاتقان (سیوطی) ـ ۲۰۰/۴
۳۸ ـ زرکشی : بدرالدین محمد بن عبدالله ـ البرهان فی علوم القرآن (اداره احیاء کتب العربیه ۱۳۷٦ ھ) ـ ص : ۱۷۳ ـ